© rasailojaraid.com

امانتِ الٰہیہ

از جناب مولوی محمود بن عبدالرشید شہیدؔ دہلوی

انسان عالمِ ایجاد میں تھا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ابھی اس کا پتلا تیار کر کے اس میں روح پھونکی تھی۔ اس کو عالمِ تخلیق میں لایا بھی نہ گیا تھا۔ یہ انسان بطنِ مادر و صلبِ پدر سے آگاہ بھی نہ تھا کہ خالقِ حقیقی نے اپنی امانت اس کے سامنے پیش کی اور فرمایا کہ اگر اس امانت کو اٹھالوگے اور اس کی حفاظت کروگے تو تم کو اچھا بدلہ دوں گا۔ اور اگر نافرمانی کروگے تو تم کو سزا بھی دی جائے گی۔ اور یہ بھی ساتھ ہی ساتھ بتادیا کہ آسمانوں، زمین، پہاڑوں نے اس امانت کے برداشت کرنے، اس ذمہ داری کو قبول کرنے سے انکار کردیا ہے۔ انسان نے اپنی فطری و قدرتی عطیہ جرارت و ہمت سے کام لیا اور آگے بڑھا اور یہ بارِ امانت، جس کو پتھر کی ہیئت و شکل میں قدرت نے روبرو کیا تھا۔ حرکت دی اور اپنی کوششوں کے بعد اپنے کاندھے پر رکھ لیا۔

ابھی اس بار کو اٹھائے تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ اس کو تکان محسوس ہونے لگی۔ وہ چاہتا تھا کہ اس امانت کو واپس رکھدے کہ پردۂ غیب سے صدا آئی۔ ہشیار! یہ امانت کا اٹھانا اس کی حفاظت تیری شایانِ شان ہے اور یہ تیری اولاد کے کاندھوں پر تا قیامت رہے گی۔ انسان وہیں رک گیا۔ اور اس کو اٹھائے رکھا۔ اس کے بعد جنت سے نکلنے کا واقعہ پیش آیا۔ [1]

اس واقعہ کی یاد تازہ کرنے کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ ہم نے روبرو کیا امانت کو آسمانوں، زمین اور

---

[1] تفسیر روح المعانی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ — پہاڑوں کے۔ پس انکار کیا سب نے کہ اس کو اٹھائیں
اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا — اور ڈر گئے اس سے اور اٹھا لیا اس کو (یعنی امانت)
الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا — انسان نے تحقیق وہ ناترس و نادان تھا" تا کہ عذاب
لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ — دے اللہ پاک منافق مردوں، منافقہ عورتوں اور مشرک
وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ — مردوں، مشرک عورتوں کو، اور رحمت کرے اللہ
اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ — ایماندار مردوں اور ایمان رکھنے والی عورتوں پر
وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (پ ۲۲) اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

امانت کے معنی پرائی چیز رکھنی اپنی خواہش کو روک کر۔ زمین و آسمان میں ذاتی خواہش کچھ نہیں یا ہو بھی تو وہی جس پر وہ قائم ہیں۔ آسمان کی خواہش حرکت کرنا۔ اور زمین کی خواہش ٹھہرنا۔ انسان میں بخلاف ان کے ذاتی خواہش موجود ہے اور حکم اس کے خلاف کا نام ہے تو اس پرائی چیز کا اپنے جی کے خلاف تھامنا بڑا زور چاہتا ہے، خصوصاً جبکہ منکر کو قصور پر پکڑا جائے اور ماننے کا قصور معاف کیا جائے۔ ایسی صورت میں بارِ امانت کا اٹھانا اپنی جان پر ترس نہ کھانا نہیں تو کیا ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ بڑا ناترس و نادان ہے"[1]

امام بغوی تفسیر معالم التنزیل میں فرماتے ہیں۔ امانت سے مراد اطاعت اور وہ فرائض جن کو اللہ نے اپنے بندوں پر فرض کر دیا۔

حافظ عماد الدین نے تفسیر ابن کثیر میں، حضرت مجاہدؒ، سعید ابن جبیرؒ، ضحاکؒ، حسن بصریؒ وغیرہ کے اقوال نقل فرمائے ہیں اور بتایا ہے کہ امانت سے مراد فرائض و حدود ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ یہ تمام اقوال آپس میں ایک دوسرے کے منافی نہیں بلکہ سب کا مقصد یہ ہے کہ امانت کا مطلب ذمہ داری و تکلیف ہے اور اوامر و نواہی کا ان کی شرطوں کے لحاظ سے قبول کرنا۔ شرط یہی کہ اگر ان کو قائم رکھا تو ثواب اور اگر انہی کو چھوڑ دیا تو عذاب۔ (تفسیر ابن کثیر)

---

[1] موضح القرآن از حضرت شاہ عبد القادر صاحبؒ۔

© rasailojaraid.com

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

انا عرضنا الامانۃ الخ نبہ الغزالی و البیضاوی علی ان المراد بالامانۃ تقلد عہدۃ التکلیف بان تتعرض لخطر الثواب والعقاب بالطاعۃ والمعصیۃ [۵۱]

یعنی امام غزالیؒ اور صاحب تفسیر بیضاوی نے واضح کیا ہے کہ امانت سے مراد ذمہ داری کی تکلیف کا گلوبند یا طوق گلے میں ڈال لینا اس لئے کہ آسمانوں زمین اور پہاڑوں نے نافرمانی کی۔ اور نافرمانی کا سبب اطاعت میں ثواب اور نافرمانی میں سزا کا ہوتا تھا۔

ان تمام اقوال و آرا کے پڑھنے کے بعد امانت کے صحیح معنی کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ امانت احکام شرع یا شریعت کی پابندی کا نام ہے مگر کتاب احسن التقویم کے مصنف صاحب کا خیال ہے کہ

"بارِ امانت سے مراد معرفت ذات و صفاتِ حق ہے اور محبت و درد عشق و افراطِ محبت با ذاتِ حق مراد ہے۔ مولانا اشرف علی صاحبؒ تھانوی نے جو اس بارِ امانت کو احکامِ شریعت سے تعبیر کیا ہے یہ ان کی تعبیر علمار راسخین متقدمین اور متاخرین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے خلاف ہے۔ اور عقلِ سلیم اس تعبیر کو تسلیم نہیں کرتی۔ [۵۲]

کتاب مذکور کی اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت تھانوی سے تعصب یا تنقیص کا جذبہ یا خیال پیدا ہو گیا ہے۔ یا تحقیقی جد و جہد سے دوری یا اکابر سلف کی آرار سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے کہ ذاتی شغف و انہماک طبیعت کے عکس کو اس طرح ظاہر کر دیا ورنہ مصنف صاحب احسن التقویم کی ذات گرامی سے یہ توقع ہرگز ہرگز نہ تھی۔

کتاب احسن التقویم میں آیۃ انا عرضنا الامانۃ الخ کو سمجھنے اور سمجھانے کی کافی کوشش کی گئی ہے اور مختلف قسم کے سوالات پیدا کئے گئے ہیں اور جوابات بھی دیکر مسئلہ کو حل کیا ہے مگر ہر جگہ عرفان و وجدان و عرفا کے خیالات کا اظہار کرنے کے بعد بھی یہ مسئلہ تشنہ حل و کشف رہا ہے۔ اس لئے پوری طرح وضاحت کے ساتھ اس پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

---

[۵۱] حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ باب سر التکلیف۔ [۵۲] احسن التقویم ص ۸۳ از حضرت ہدایت علی صاحب نقشبندی مجددی جےپوری

© rasailojaraid.com

کتاب مذکور میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام چونکہ معرفت کے حامل تھے اس لئے ان کو مخلوق پر فضیلت ہے جس کے ثبوت میں یہ آیت ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی فضیلت پر کسی دوسرے موقع ووقت پر بحث کی جائے گی۔ اس کو حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ نے بدور البازغہ اور الخیر الکثیر میں تفصیل سے لکھا ہے۔ کتاب مذکور میں متعدد سوالات پیدا کئے گئے ہیں۔ مثلاً

(۱) انسان نے ضعیف ہونے کے باوجود اس بارِ امانت کو کیوں اٹھایا؟

(۲) بارِ امانت اٹھانے کے بعد پھر ظالم وجاہل کیوں کہا گیا؟

(۳) احکامِ شریعت یہاں کیونکر مراد لئے جا سکتے ہیں جبکہ شریعت کے قانون سے مستثنیٰ انسان بھی پائے جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:۔

(۱) ثم تعلم ان اللہ تعالیٰ قد اودع الانسان بحکمتہ الباہرۃ قوتین. قوۃ ملکیۃ تنشعب من فیض الروح المخصوصۃ وقوۃ بہیمیۃ تنشعب من النفس الحیوانیۃ المشترکۃ فیہا کل حیوان المشبہۃ بالقوی القائمۃ بالروح الطبیعیۃ واستقلالہا بنفسہا واذعان الروح الانسانیۃ لہا و قبولہا الحکم منہا۔	پھر جان کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت ظاہرہ سے دو قوتیں انسان میں ودیعت کیں، قوتِ ملکیۃ جو مخصوص روح کے فیضان سے پھیلتی ہے۔ قوتِ بہیمیۃ جو نفسِ حیوانی سے پھیلتی ہے۔ اس نفسِ حیوانی میں ہر حیوان جس کے قوی کا قیام بذریعہ روحِ طبعی ہے مشترک ہے۔ یہ قوت بہیمیۃ اپنے ذاتی اعتبار سے مستقل ہے اس کو روح انسانی (جس سے قوت ملکینہ کا تعلق ہے) کا یقین ہے اور ساتھ ساتھ اس کے حکم کو قبول کرتی ہے۔
(۲) ثم تعلم ان بین القوتین تزاحماً وتجاذباً فہذہ تجذب الی العلو وتلک الی السفل	اس کے بعد جان کہ دونوں قوتوں کے آپس میں روک تھام ہے اور کشش بھی پس یہ (قوت ملکیہ) کھینچتی کر بلندی (اعمالِ صالحہ وقربِ الٰہی) کی طرف بمقابلہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فاذا برزت البھیمیة وغلبت — دوسری (قوتِ بہیمیہ) کے یہ برائیوں اور قبائح کی طرف
آثارھا کمنت الملکیة وکذا — جب قوتِ بہیمیہ کا ظہور ہوتا ہے اور اس کے آثار کا
العکس۔ — غلبہ تو قوتِ ملکیتہ ماند پڑ جاتی ہے۔ ایسے ہی برعکس۔

انسان کی اس فطری قابلیت واطاعتِ الٰہی کی استعداد اور معائب ونتائج کی جانب رغبت، اور ان سے بچنے کی قوت ولیاقت کے سمجھ لینے کے بعد یہ بھی سمجھنا مناسب ہوگا کہ ان فطری عقول کی ودیعت کو تسلیم کر لینا چاہیے۔ جن کی بدولت انسان ہر قسم کی جدوجہد کرتا ہے دینی ودنیاوی امور میں ان سے کام لیتا ہے۔

عقلِ معاد۔ اس کی رہبری میں انسان اعمالِ صالحہ، قرب ورضاءِ الٰہی، تزکیہ نفس، اخلاقِ شریفہ سے متصف ہونے کو اپنے لئے باعثِ عزت وفخر سمجھتا ہے جس کا تعلق قوتِ ملکیہ سے ماننا بدیہی ہے یہیں پر نفسانی خواہشات وجنسی مرغوبات کا مزاحم بننا اور مقابلہ میں آنا انسانی اعمال میں کھلم کھلا نظر آتا ہے

عقلِ معاش۔ انسانی جہد وکوشش کا وہ منظر جو حصولِ دنیا میں دیکھا جاتا ہے۔ اسی فطری ودیعت کا بین ثبوت ہے اور انسانی ضمیر کا انتباہ اور غلط راستہ، گمراہ طریقہ سے روک تھام قوتِ ملکیہ کی مزاحمت کا نتیجہ تقریباً ہر سمجھدار محسوس کر لیتا ہے۔

مناسب ہوگا کہ یہ بھی سمجھ لیا جائے کہ انہی قویٰ کی موجودگی نے افعالِ انسانی کو خود انسان کے اختیاری کہنے پر آمادہ کر دیا۔ چنانچہ حضرت عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

للعباد افعال اختیاریة یثابون — بندوں کے افعال اختیاری ہیں جن کا ثواب دیا جاتا
بھا ولیا قبون علیھا۔ [1] — ہے اور ان پر گرفت کی جاتی، سزا دی جاتی ہے۔

ہاں ایک یہ مرحلہ بھی پیشِ نظر رکھ لیجئے کہ ارواح نے قبل اس کے وہ جسد عنصری میں آئیں۔ اپنے رب کے سامنے اقرار کیا تھا کہ ہاں تو ہمارا رب ہے اور یہ الستُ بربکم کا جواب بلیٰ تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ارواح کو ازلی طور پر اپنے رب کا علم ومعرفت حاصل تھی اور یہ چیز ان کی خلقت میں

---

[1] تکمیل الایمان فارسی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شامل کردی گئی تھی کہ وہ اپنے خالق ورب تعالیٰ کو پہچانیں۔

اب نورِ عظیم کلام ربِ حکیم کی اس آیت کے ہر ہر لفظ پر غور کیجئے۔

إِنَّا عَرَضْنَا۔ ہم نے پیش کیا۔ معلوم ہوا کہ کوئی چیز ہے۔ فطرت سے علیحدہ۔ ودیعت نہیں کی جارہی۔ قول وقرار نہیں۔

الْأَمَانَةَ۔ حفاظت کے قابل ہے۔ خیانت میں نقصان ظاہر۔ جسم وروح انسانی سے بالکل علیحدہ کوئی چیز۔ بہرکیف بوجھ ہوسکتا ہے۔ یا ذمہ داری جیسے امین ذمہ دار کو بھی کہتے ہیں حفاظت خیانت کا ذمہ دار۔

عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ۔ سب موجودات پر، معلوم ہوا کہ تمام نظام موجودات پر فیضِ باری ہو رہا ہے یہی عدل وانصاف کا اقتضا ہے اور رحمتِ عامہ کا ثبوت تاکہ کل کسی کو شکایت وحکایت کا موقع نہ ملے اور وہ انسان جو اکثر شیٔ جدلا اکثر باتوں میں جھگڑالو ہے، یہ نہ کہے کہ میں ہی رہ گیا تھا تمام ذمہ داریوں کے لئے۔

فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا۔ بس انکار کیا انھوں نے کہ اٹھائیں اس کو باری تعالیٰ سے عرض کیا کہ یہ ہماری استعداد وقابلیت کے لایق نہیں اور یہ عرض انکار ہی کہلا سکتی ہے اللہ علیم یہ جانتا تھا کہ ان میں استعداد وصلاحیت نہیں۔ اس لئے بازپرس نہ ہوئی۔ یہاں امانت کو پیش کیا جارہا ہے۔ اور جو چیز بطور امانت پیش کی جاتی ہے۔ امین اس کی قبولیت میں عجز وانکسار ظاہر کرسکتا ہے۔ جبر وتعدی نہیں جو یہ کہا جائے کہ حکم سے انکار کی قدرت کس میں ہے کہ باری تعالیٰ عزاسمہ کے حکم کے سامنے چون وچرا کرے۔ یہاں محض حکم نہیں بلکہ حفاظت وخیانت کا امتحان مقصود ہے۔

وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ۔ برداشت کرلیا اٹھالیا۔ ذمہ لے لیا انسان نے۔ انسان اس وقت بالکل اعتدالی حالت میں تھا۔ اور اس کو معلوم تھا کہ دیگر موجودات سے انکار سرزد ہو گیا ہے۔ ان میں استعدادِ قابلیت نہیں۔ اس نے رب تعالیٰ کی پیش کردہ امانت کو پہلے دیکھا۔ اس کے بعد اپنی ذاتی قابلیت وصلاحیت پر نظر ڈالی۔ سوچ سمجھ کر آگے بڑھا۔ ہمت وجرأت سے کام لیا۔ اس کی دانش وفہم نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رب تعالیٰ کی عظمت و عزت کا لحاظ کیا یہ دیگر موجودات کے مقابل قابلیت کے باوجود کیونکر پیچھے ہٹتا۔ اس نے خود بڑھ کر اوامر و نواہی کے مجموعہ تپھر نا مبہم شکل کو اٹھالیا۔ یہاں ہمہت سے مسری وہی ہمت مراد ہے جو اہلِ تصوف کی اصطلاح ہے یعنی حواس خمسہ ظاہرہ و باطنہ سب ہی کو لطف و احسانِ خداوندی کا منتظر بنایا۔

إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا۔ ظالم اس کو کہتے ہیں کہ جس کی شان عدل و انصاف کرتا ہو جاہل جس کی شان عالم ہوتا ہو۔ انسان ضعیف البنیان نے بڑی ذمہ داری مول لے لی ہے۔ یہ ابھی نسل و تخلیقی دور سے آگاہ و واقف نہ تھا۔ اس کو یہ خیال بھی نہ آیا کہ مجھ سے غلطی لازمی و ضروری ہے۔ اس کو یہ احساس نہ ہوا۔ کہ قوت بہیمیہ کا تقاضا روح حیوانی کا منشا ور رجحانات کیونکر روک سکوں گا۔ عدل و انصاف کا تقاضا تھا کہ ان تمام باتوں کا خیال رکھتا۔ اس کو ابھی دنیاوی کدورتوں، معاملات کی نزاکت و باریکیوں، گمراہی و غلط روی سے واسطہ بھی نہ پڑا تھا کہ اس نے فیصلہ کر لیا کہ میں اس امانت احکامات الٰہی کی حفاظت کروں گا۔ ایسی صورت میں یہ ناترس و نادان کہلانے کا مستحق نہیں تو کیا ہے۔

لِيُعَذِّبَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ الخ۔ تاکہ عذاب دے اللہ منافق مردوں اور منافقہ عورتوں کو۔ یہ برداشت و امانت کا اٹھانا اس شرط کے ساتھ تھا کہ اس کی حفاظت میں ثواب اور نافرمانی و عصیان میں سزا ہے اور رحمت نازل کرے گا اللہ اپنے بندوں پر الخ

اب اس صلاحیت و استعدادِ انسانی کے سمجھنے کے بعد، قوی مودعہ سے واقف ہونے کے بعد اس امانت کے برداشت اور دیگر موجودات کا انکار اس سبب و وجہ سے تسلیم کرنا کہ انسان پہاڑ و زمین کی فرع ہے یا جزء ہے بالکل لایعنی سا معلوم ہوتا ہے، یا انسان کو اصل قرار دینا اور دیگر موجودات کو فرع یا جزء بے محل سی دلیل معلوم ہوتی ہے جیسے کہ کتاب مذکور میں لکھا گیا ہے۔ [۱]

البتہ یہ اظہار رائے کسی قدر موزوں معلوم ہوتا ہے کہ بروقت تفویضِ امانت انسان کی اصل جسمانی پیشِ نظر انسان تھی۔ علمِ حق میں جو کچھ تعلق ہوا تو از ذات و صفاتِ حق، بشر کی ذات و صفات سے متعلق تھا

---

[۱] احسن التقویم ص ۱۸۰۔

© rasailojaraid.com